بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالحمید دوئم

ان دنوں عالمِ اسلام عبدالحمید ثانی کی وفات کی 103 ویں برسی یاد کر رہا ہے، جو اس اسلامی خلافت کے آخری حکمرانوں میں سے تھے جسے انگریزوں نے گرا کر ختم کیا تھا۔ 103 سال قبل انہی دنوں (فروری 1918ء) میں جلاوطن بیمار خلیفہ عبدالحمید دوئم نے ڈاکٹروں کے مشورے کے برعکس غسل کرنے پر اصرار کیا، چنانچہ غسل کے بعد ابھی بستر تک پہنچنے نہیں پائے تھے کہ ڈاکٹروں نے ان کے بیٹوں کو بلایا، تاکہ وہ اپنے والد کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری لمحات میں ملاقات کر سکیں، مگر اُن کے آنے سے پہلے ہی وہ جان کی بازی ہار بیٹھے، یوں تاریخ اسلام کے حقیقی آخری خلیفہ کی زندگی کا صفحہ پلٹ گیا۔

عبدالحمید دوئم (21 ستمبر 1842 سے 10 فروری 1918) نے 75 سال عمر پائی، تین دہائیوں تک اس وسیع و عریض ریاست کے حکمران رہے، جو اسلام کے ذریعے حکومت کرتی تھی، اس پورے عرصے میں ان کا ایک ہی کام تھا، مسلم معاشرہ کی حفاظت اور "یورپ کے مردِ بیمار" کی صحت کی بحالی، ترکی کو "مردِ بیمار" کا یہ لقب مغربی دشمنوں نے دیا، جو عثمانی ریاست کے سقوط کے انتظار میں تھے۔

ان کی وفات کی خبر پاتے ہی شعرائے عرب اور دیگر اسلامی شعراء نے ان کے مرثیے پڑھے، سوگ منائے۔ عراقی شاعر جمیل صدقی الزہاوی نے شعر کہا

سلام علی العهدی الحمیدی انه	لاسعد عهد فی الزمان و انعم
حمیدی دور پر سلام ہو بلا شبہ وہ	زمانے میں بہترین دور تھا اور رحمتوں سے بھرپور تھا

امیر الشعراء احمد شوقی نے عالم اسلام کی طرف سے اس سانحہ کا لب لباب بیان کرتے ہوئے یوں تعبیر کیا

ضجت علیک مآذن و منابر	و بکت علیک ممالک و نواح
آپ کی موت پر منبر اور مینار دھاڑیں مار کر روئے	اور تجھ پر ممالک روئے، علاقے روئے

ان مرثیوں اور نوحوں سے قبل خلیفہ نے ایسے حالات اور چیلنجز کا سامنا کیا، جو بے حد بوجھ والے تھے اور خلیفہ نے یہ بوجھ کما حقہ اٹھایا، اور وہ ان مشکلات سے نمٹتے ہوئے چٹان بن کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گئے، جس کا اثر اب تک محسوس کیا جاتا ہے، ہم یہاں اس کے کچھ نمونوں کا ذکر کرتے ہیں۔

یہودیوں کی فلسطین میں سکونت پر پابندی سے متعلق قرارداد:

سلطان عبد الحمید دوئم کے حکم سے، 21 جنوری 1883ء کو استنبول میں سفارتی وفود کے سربراہوں کو سرکاری یاداشت روانہ کی گئی، عثمانی کابینہ کے مجوزہ متن پر مشتمل اس سرکاری یاداشت میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ روسی یہودیوں کو فلسطین میں سکونت سے روکا جائے۔ اس قرارداد کی بنا پر سلطان نے یورپ کی طرف سے سخت قسم کے دباؤ کا سامنا کیا۔ اس پس منظر میں بابِ عالی (خلیفہ ہاؤس) نے 1884ء میں یہودیوں کے لیے فقط مقدس مقامات کی زیارت کے لیے فلسطین میں داخلے کی اجازت سے متعلق ہدایات جاری کیں، اس شرط پر کہ ان کا وہاں قیام تیس دن سے زیادہ نہ ہو۔ یہودیوں کی ہمدرد یورپی ریاستوں کی طرف سے بابِ عالی (خلیفہ ہاؤس) پر دباؤ بڑھنے اور فلسطین کے حوالے سے صہیونی تحریک (Zionist movement) کے اہداف و مقاصد سامنے آنے کے بعد، توازن کو اپنے حق میں کرنے کے لیے سلطان عبد الحمید دوئم نے القدس کی انتظامی حیثیت میں تبدیلیاں کیں، چنانچہ اُنہوں نے القدس کو باب عالی کے ذاتی کنٹرول کے تحت لا کر اس کو خود مختار ادارہ بنا دیا۔ یہ 1887ء میں ہوا، اس سے قبل القدس (یروشلم) شام کے گورنر کے اختیارات کے تحت ایک انتظامی یونٹ تھا، جسے سنجک کہتے تھے۔

اس قرارداد کی بدولت القدس، جس پر صیہونیوں کی بھوکی اور لالچی نظریں لگی ہوئی تھیں، ایک مستقل انتظامی یونٹ بن گیا جو بلاواسطہ بابِ عالی کے ماتحت تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہودی نقل مکانی پر نگرانی سخت کرنے کے لیے دار الخلافہ استنبول کے سرکاری محکموں کو مستحکم کیا جائے۔

سلطان عبد الحمید دوئم نے القدس کے امور کے لیے محمد شریف رؤوف باشا نامی ایک مضبوط شخص تعینات کیا جو اسلام کی محبت اور یورپیوں کی عداوت میں مشہور تھا۔ وہ 1877ء سے 1889ء تک القدس میں رہا۔ اور یہودی آبادکاری کا سخت ترین مخالف تھا اور غیر قانونی طور پر یروشلم میں مقیم یہودیوں کے تعاقب میں مسلسل فوجی بھیجتا رہتا تھا، اور عثمانی شہری بننے والے غیر ملکی یہودیوں کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتا تھا تاکہ وہ رہائشگاہوں کی تعمیر کے لیے اراضی نہ خرید سکیں۔

عبد الحمید کی پالیسی اور منصوبے:

عبدالحمید دوئم اسلامی قوتوں کو متحد کرنے پر کام کرنے کی ضرورت کو سمجھتے تھے، تاکہ عثمانی ریاست پر لالچی نظر رکھنے والی استعماری ریاستوں کا مقابلہ کیا جاسکے؛ چنانچہ انہوں نے اسلامی کمیٹی (الجامعۃ الاسلامیۃ) کا نعرہ پیش کیا اور اسی کو ریاستِ خلافت کی سپریم پالیسی قرار دیا۔ اُنہوں نے چین، ہندوستان اور افریقہ کے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کے رشتے کو مضبوط کرنے پر کام کیا۔ اُنہوں نے اپنے اس نعرے کو اپنے اور اپنی ریاست کے گرد اندرونی اور بیرونی صفوں کی وحدت کا ذریعہ سمجھا، اور اپنے ہدف کے حصول کے لیے مختلف شخصیات، داعیوں اور وسائل کا سہارا لیا اور کئی کالج اور اسکول قائم کیے۔ انھوں نے ریاست کے علاقوں کو تیس ہزار کلومیٹر ٹیلی گراف اور ٹیلی فون لائنز کے ساتھ جوڑ دیا، آب دوزیں بنائیں اور فوج کو مسلح کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔

مگر ان کا سب سے بڑا عوامی منصوبہ حجاز ریلوے لائن تھا جس کو انہوں نے نہایت شاندار طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچایا تاکہ مسلمان بسہولت فریضہ حج ادا کر سکیں، بجائے اس کے کہ قافلوں کے ذریعے یہ سفر طے کیا جائے جو چالیس دن کا ہوا کرتا تھا۔ ریلوے لائن بننے کے بعد یہ دورانیہ نہایت کم ہوا اور صرف چار دن رہ گیا۔ اس وسیع منصوبے نے مسلمانوں میں بڑا دینی جوش و جذبہ پیدا کیا، جب سلطان عبدالحمید دوئم نے اس منصوبے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی اور انہیں اس کار خیر میں عطیات دینے کا کہا اور خلافت کے خزانے سے بھی بڑی مقدار میں اس کے لیے خاصی رقم مختص کی گئی، تو ہندوستان، چین اور باقی دنیا کے مسلمان یہ سوچ کر اپنے عطیات دینے کے لیے اُمڈ آئے کہ یہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا منصوبہ ہے۔ آٹھ سالہ سخت محنت اور بھرپور جوش و جذبے سے کام کے بعد رجب 1326ھ بمطابق اگست 1908ء میں پہلی ٹرین مدینہ منورہ پہنچی۔

عبدالحمید دوئم اور بڑی طاقتیں:

سلطان ذاتی طور پر استعماری یورپی ریاستوں سے دبتے نہیں تھے، کیونکہ ایک تو لاکھوں مسیحی سلطان کے زیرِ اختیار تھے، دوسرا مسلمانوں کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے یورپ کی مسلم ریاستوں پر بھی ان کو اثر و نفوذ حاصل تھا۔ عبدالحمید دوئم کی زندگی میں یورپ کے بڑے ممالک میں سے کوئی بھی ملک اس قابل نہ تھا کہ یورپ یا بالخصوص بلقان میں موجود اسلامی ریاست کے علاقوں کو کاٹ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ عبدالحمید دوئم کی سلطنت کو گرانا، پیرس اور لندن کے لیے ایک بارِ گراں بنا ہوا تھا۔

عبدالحمید اور یہود:

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ عرب عنصر کی بالاتری باقی رہے، تو ہمیں فلسطین میں یہودی تارکین وطن کی آبادکاری کی سوچ کو لازماً مسترد کرنا ہوگا، ورنہ یہودی جب کسی زمین کو اپنا وطن بنالیتے ہیں تو وہاں کے اکثر وسائل کو جلد ہی اپنی ملکیت میں لے لیتے ہیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کا فیصلہ اپنے دینی بھائیوں کے بارے میں یقینی موت کا فیصلہ ثابت ہوگا۔" یہ تھا عثمانی سلطان عبدالحمید دوئم کا اپنے عرب اور مسلمان بھائیوں کے حوالے سے نقطۂ نظر، اور یہ تھا فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری سے متعلق ان کا نقطۂ نظر جو انہوں نے اپنی سیاسی ڈائری میں لکھ کر محفوظ کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا: "فلسطین میں صیہونی منصوبے کے قائد تھیوڈور ہرٹزل Theodore Herzl کو نصیحت کرو کہ اس معاملے سے متعلق کوئی نیا قدم اٹھانے سے گریز کرے، کیونکہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ مقدس سرزمین کے ایک بالشت بھر ٹکرے سے بھی دستبردار ہو جاؤں، کیونکہ یہ میری ملکیت نہیں بلکہ یہ میری قوم کی ملکیت ہے، میرے آباؤاجداد نے اس زمین کے لیے جنگیں لڑیں اور اس کو اپنے خون سے سیراب کیا۔ یہودی اپنے لاکھوں اپنے پاس رکھیں، اگر (خدانخواستہ) مستقبل میں خلافت کے ٹکڑے ہو جائیں تو پھر وہ فلسطین کو مفت حاصل کر لیں، بہرحال جب تک میں زندہ ہوں میں اپنے جسم میں خنجر گھونپنے کو ترجیح دوں گا بجائے یہ کہ فلسطین کی زمین ہاتھ سے نکلتی دیکھ لوں"۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاریخی موقف جس کی وجہ سے سلطان عبدالحمید دوئم یہودی قائد تھیوڈور ہرٹزل کی پرکشش پیش کشوں کے سامنے ثابت قدمی کی مجسم مثال بنا، ان کے خیال میں یہ موقف ان کی فلسطین اور اس کے تحفظ کی فکرمندی کی واحد مثال ہے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس موقف سے قبل اور بعد بھی فلسطین کی حفاظت کے لیے عبدالحمید دوئم کی طرف سے بے مثال جدوجہد ایک تاریخی حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہے۔ اہم ترین واقعہ جس نے یورپ کو سلطان کے خلاف مشتعل کر دیا، فلسطین میں یہودی تارکین وطن کی آبادکاری کو مسترد کرنا تھا، کیونکہ مسیحی یورپ یہ چاہتا تھا کہ یہودی شر کو مسلمانوں کی ریاست کی طرف دھکیل دے۔ یہودی صیہونی گروپ کے رہنما تھیوڈور ہرٹزل اور سلطان عبدالحمید دوئم کے درمیان پہلا رابطہ آسٹرین سفیر کی وساطت سے محرم 1319ھ بمطابق مئی 1901ء کو استنبول میں ہوا۔ اس موقع پر ہرٹزل نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا مطالبہ سامنے رکھا، اور یہ کہ یہودی اس کے بدلے فی الفور لاکھوں عثمانی سونے کے لیرے سلطان کو بطور تحفہ دیں گے، اس کے ساتھ عثمانی ریاست کے خزانے کو مبلغ بیس لاکھ لیرے مزید قرض بھی دیں گے۔

عبدالحمید دوئم نے بھانپ لیا کہ ہرٹزل فلسطین میں یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن قائم کرنے کے لیے رشوت دینا چاہتا ہے، اور یہ کہ یہودی اپنے آپ کو محض اکثریتی آبادی ثابت کر کے یورپی اقوام کی حمایت سے ذاتی خود مختار حکومت کا مطالبہ کریں گے۔ چنانچہ سلطان نے ہرٹزل کو ذلیل کر کے نکال دیا۔ سلطان عبدالحمید دوئم نے اپنی ڈائری میں اس قرارداد پر دستخط نہ کرنے کے اسباب کے بارے میں بیان کیا ہے، "(ایسا کر کے) ہم اپنے دینی بھائیوں کی موت

کے فیصلے پر دستخط کر دیتے''، ہرٹزل نے زور دیا کہ فلسطین کے حوالے سے یہودیوں کی اُمیدیں دم توڑ گئیں،اور یہ کہ جب تک عبدالحمید دوئم کی حکمرانی رہے گی، وہ فلسطین میں ہر گز داخل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ عبدالحمید دوئم کی سخت گیر پالیسی صیہونی ریاست کے منصوبے کی تاخیر میں اصل سبب بنی رہی، جس کے لیے یہودی قومی وطن کے قیام کے ذریعے کوشش کررہے تھے؛ چنانچہ یہودیوں نے سلطان پر تہمتیں لگانے اور دوران حکومت ان کا تاثر مسخ کرنے کی کوششیں کیں۔ کچھ یہودی یونین اینڈ پروگریس(Union & Progress) گروپ میں گھس گئے،اسی گروپ نے بعد میں سلطان کی حکومت کا خاتمہ کیا،ان کی سربراہی عمانوئیل کراسو کر رہا تھا۔

خلیفہ کو قتل کرنے کی سازش:

القدس میں یہودی آبادکاری کے سامنے عثمانی خلیفہ کے ڈٹ جانے کا نتیجہ تھا کہ ان کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی،انگلینڈ کے بادشاہ کارل ایڈورڈ ،جو میسونک لاج سے وابستہ اور یہودیوں کا گرم جوش حامی تھا، اس نے آرمینی تنظیموں کے لیے قصرِ یلدز کو دھماکے سے اُڑانے، سلطان کو قتل کرنے اور عثمانی بینک کو تباہ کرنے کے عوض 13 ہزار سونے کے لیرے دینے کی پیش کش کی، مگر عثمانی افواج نے اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ ایڈورڈ کی طرف سے فنڈنگ کے سہارے یہودیوں نے سویزرلینڈ میں بھی عبدالحمید دوئم کی بگھی کو پھنسا کر ان کو قتل کردینے کی کوشش کی، مگر وہ اس حادثے میں بھی محفوظ رہے، جبکہ اس واقعے میں متعدد عثمانی فوجی ہلاک ہوئے۔ عبدالحمید کی سبکدوشی میں صہیونی منصوبے کے حوالے سے ان کے موقف کو نمایاں ترین وجہ شمار کیا جاتا ہے۔

عبدالحمید اور یونین اینڈ پروگریس(Union & Progress):

یونین اینڈ پروگریس عثمانی ریاست کی پہلی سیاسی پارٹی تھی، جو 1308ء بمطابق 1890ء کو ایک خفیہ تنظیم کی شکل میں وجود میں آئی، جس کے مقاصد عبدالحمید دوئم کی حکومت کا تختہ الٹنا اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ سلطان نے اس پارٹی کے بارے 1315ھ بمطابق 1897ء کو تفتیش کرکے اس کے کئی ممبرز کو ملک بدر کردیا جبکہ کچھ پیرس بھاگ گئے۔ اس کے بعد سلطان کی حکومت کے مخالفین نے ذی القعدہ 1319ھ بمطابق اپریل 1902ء کو پیرس میں ایک کانفرنس منعقد کی، اس کانفرنس کا نام عثمانی حزبِ اختلاف کی پہلی کانگریس رکھا گیا۔ اس موقع پر اہم قراردادیں پاس کی گئیں۔ ایک قرارداد قومیتی بنیادوں پر آزادانہ مقامی انتظامیہ قائم کرنے کی تھی، جس کا مطلب عثمانی ریاست کے ٹکڑے کرنا تھا، مگر اس قرارداد پر بعض حاضرین کی طرف سے کانفرنس کے دوران اعتراض کیا گیا، پھر کانفرنس کے شرکاء نے سلطان عبدالحمید دوئم کی حکومت کے خاتمے اور ان کو برطرف کرنے کے لیے یورپی ممالک سے مداخلت کی اپیل کی۔

یونین اینڈ پراگریس گروپ نے عثمانی ریاست میں اپنی کئی شاخیں کھولیں، اور چھوٹے نوجوان فوجی افسران کی بڑی تعداد نے اس میں شمولیت اختیار کی۔ اس کے بعد افسران کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ یہ کہا جاتا تھا کہ 1326 ھ بمطابق 1908ء کو بلقان میں تیسری عثمانی فوج کے تمام افسران یونین کے ساتھ منسلک تھے۔ یونین نے بلقان میں انقلابیوں کے ساتھ معاہدہ کیا، اور بلغاری و یونانی گروپوں نے یونین کے لوگوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا تاکہ خلافت کو گرایا جائے۔ اتحادیوں نے ان عثمانی ملازمین کو بھی قتل کرنا شروع کیا جو ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ شدید ہلچل، ہنگاموں اور حادثات کے بعد خلیفہ عبدالحمید دوئم نے جمادی الثانی 1326ھ بمطابق اگست 1908 کو دستور کے نفاذ کا از سر نو فیصلہ کیا۔ یونین اینڈ پراگریس تنظیم نے حکومت ہاتھ میں لے لی اور فرانسیسی انقلاب کے اصول نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔

یونین اینڈ پراگریس پارٹی کے حکومت ہاتھ میں لینے سے حکومتی نظام ایک پارٹی کی آمریت میں تبدیل ہو گیا جو ریاست کی شکست و ریخت کے خواہشمند عناصر پر مشتمل تھی۔ ایک تاریخ دان کے بقول :" اگر دوسری مشروطیت (سلطنت جو شرائط و ضوابط کی پابند ہو) ایک عوامی تحریک کا نتیجہ ہوتی، تو پہلا قدم جمہوریت کی طرف ہی اُٹھتا"۔ یونین اینڈ پراگرس کے افسران کہا کرتے تھے کہ اِس دوسری حکومت میں صرف ان کا اختیار چلے گا، کسی اور کا نہیں۔ دستور کے نفاذ کا اعلان ریاست عثمانی کو پیش آنے والے بعض المناک حادثوں کے وقت کیا گیا۔ یعنی ایسے وقت میں جبکہ بلغاریہ اور کریٹ نے ریاست عثمانی سے علیحدگی اور یونان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا، جبکہ بوسنیا اور ہرزیگووینا نے بھی آزادی حاصل کر لی۔

۳۱ مارچ کا واقعہ:

یونین کے لوگوں نے دیکھا کہ عبدالحمید دوئم سے چھٹکارا پانا اور اس کی حکومت گرانا ضروری ہے۔ ان کی یہ خواہش یورپ کے بڑے ممالک بالخصوص برطانیہ کی خواہش کے موافق تھی، جو اس کو عثمانی سلطنت کے خاتمے کے لیے اولین قدم سمجھتے تھے۔ یہود اور آرمینیا کے باشندوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اب وہ اپنے اہداف کے قریب پہنچ گئے ہیں، یہی وجہ تھی کہ 31 مارچ کا واقعہ ہوا۔ مارچ رومی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے، جو 18 دن کے فرق کے ساتھ گریگوری کیلنڈر (جنوری تا دسمبر) کے اپریل کے مہینے کے مطابق ہے۔ یہ واقعہ 21 ربیع الاول 1327 ھ بمطابق 13 اپریل 1909ء کو ہوا۔ اس دن استنبول میں بڑے ہنگامے ہوئے، جن میں یونین اینڈ پراگریس پارٹی کے بعض فوجی قتل ہوئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونین اینڈ پراگریس کی وفادار افواج نے ہسلنکی Thessaloniki سے پیشقدمی کرتے ہوئے استنبول کی طرف حرکت کی۔ بلغاریہ اور سربیا کے بعض گروپ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ان افواج نے دعویٰ کیا کہ وہ سلطان کو استنبول کے انقلابیوں سے بچانے آئے ہیں۔ عبدالحمید دوئم کی وفادار اولین فوجی دستے کے سپہ سالار چاہتے تھے کہ ان افواج کو استنبول میں داخل ہونے سے روکا جائے، بصورت دیگر ان کو کچل دیا جائے، لیکن سلطان نے اس تجویز کو مسترد کیا اور اولین فوجی دستے کے سپہ سالار سے ان کے خلاف اسلحہ استعمال نہ کرنے کا حلف لیا۔ اس کے بعد محمد شوکت پاشا کی قیادت میں افواج استنبول میں داخل ہوئیں اور مارشل لا نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے سلطان کے محل پر ہلہ بول دیا اور ریاست کے سرکاری مفتی سے سلطان کو معزول کرنے کا فتویٰ لینے کی کوشش کی لیکن اس نے فتویٰ دینے سے انکار کیا۔ تب انہوں نے اسلحہ کے ذریعے ڈرا دھمکا کر یہ فتویٰ حاصل کر لیا۔ سازشی باغیوں نے سلطان پر الزام لگایا کہ 31 مارچ کے ہنگامے اور قتل کے پیچھے ان کا ہاتھ تھا اور اس نے ہی قرآنی مصاحف جلائے اور اسی نے مسلمانوں کو باہمی قتل و غارت گری پر اکسایا۔ اس قسم کے تمام جھوٹے الزامات کا مقصد فقط سلطان عبدالحمید دوئم کو برطرف کرنا تھا، چنانچہ انہوں نے ان کی معزولی کا اعلان کر دیا۔

باغیوں نے چار سرکاری ملازمین کو سلطان کو معزولی کا فیصلہ پہنچانے کے لیے نامزد کیا۔ ان میں ایک یہودی، ایک آرمینی، ایک البانوی اور ایک جارجین تھا۔ اس طرح یہودیوں اور آرمینیوں نے عبدالحمید دوئم سے اپنا انتقام لیا۔ اس کے بعد یونین کے لوگوں نے اعتراف کیا کہ اس گروہ کے انتخاب میں ان سے غلطی ہوئی۔ 6 ربیع الثانی 1327ھ ، بمطابق 27 اپریل 1909ء کو سلطان عبدالحمید دوئم اپنے بھائی محمد رشاد کے حق میں مسندِ سلطنت سے دستبردار ہوئے ، اور اپنے 38 ساتھیوں کے ساتھ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں ہسلنکی منتقل ہوئے، اور وہاں یہودی طرز کے شہر میں ایک محل نما مکان میں رہنے لگے جس کا مالک ایک یہودی تھا، جبکہ ان کی ساری جائیداد اور رقوم بحق سرکار ضبط کی گئیں۔ ہسلنکی میں اس محل میں کڑی نگرانی کے تحت انہوں نے اپنے آخری سال انتہائی تکلیف دہ اور کسمپرسی کے عالم میں گزارے، حتیٰ کہ وہ نہ کوئی خبریں سن سکتے تھے نہ اخبار پڑھنے کی اجازت تھی۔

وفات:

سلطان عبدالحمید دوئم 28 ربیع الثانی 1336ھ بمطابق 10 فروری 1918ء کو 76 سال کی عمر میں وفات پائے۔ ان کے جنازے میں مسلمانوں کے جم غفیر نے شرکت کی اور کئی شعراء نے ان کے مرثیہ پڑھے۔ ان شعراء میں سے سلطان کا مخالف رضا توفیق بھی تھا، جس نے لکھا، "جب تاریخ تیرا نام لے گی، اے سلطان معظم ! حق تیری جانب اور تیرے ساتھ ہو گا۔ ہم نے بے شرمی سے وقت کے عظیم ترین سیاستدان پر تہمتیں لگائیں، ہم نے کہا تھا: سلطان ظالم

ہے، سلطان پاگل ہے۔ ہم نے کہا تھا، سلطان کے خلاف انقلاب ضروری ہے اور ہم نے وہ سب کچھ سچ جانا جو ہمیں شیطان نے کہا"۔